محمد حنیف ندوی

اخوّت و رفاقت کے تقاضے

بھائی چارہ اور الحب فی اللہ، اسی طرح کا شرعی و دینی رابطہ ہے جس طرح مثلاً نکاح ہے۔ جس طرح عقدِ نکاح سے حقوق و واجبات کا ایک نقشہ متعین ہوتا ہے، اسی طرح محبت و رفاقت کچھ حقوق چاہتی ہے جو مالی بھی ہیں اور نفسیاتی بھی۔ زبان سے بھی ان کا تعلق ہے اور اعمال و جوارح سے بھی۔ ان کو کل آٹھ قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اخلاقی حقوق: آں حضرتؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

مثل الاخوین مثل الیدین تغسل احداھما الاُخریٰ۔

دو بھائی دو ہاتھوں کی مانند ہیں کہ ایک دوسرے کو دھوتا اور غسل دیتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ جس طرح دونوں ہاتھ باہم معاون ہیں۔ اور ہر ہر کام میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ اسی طرح اخوّت و بھائی چارہ، ہر نوع کی امداد کا طالب اور ہر طرح کی مشارکت و حصہ داری کا متقاضی ہے۔ دونوں کو چاہیے کہ حال و مستقبل اور تنگی و کشائش میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ اور ترجیح و برتری کے خیال کو دل کے ہر گوشہ سے نکال باہر کریں۔ بالخصوص جہاں تک مالی اعانت و دستگیری کا تعلق ہے قطعی دریغ نہ کریں اور فیاضی و سیر چشمی سے پیش آئیں۔ مالی اعانت کی تین قسمیں ہیں یا تو دولت کو کم از کم وہ حیثیت دے جو اس کے خادم کو حاصل ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ضروریات کا حتی الامکان خیال رکھے۔ اور اپنے زائد مال میں سے وقتاً فوقتاً اس کی حاجت روائی کرتا رہے اور اس کی نوبت تو بالکل نہ آنے دے کہ اس کے ہوتے ساتے یہ دوسروں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو۔

اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ دوست کو اسی اہمیت کا مستحق سمجھے جس اہمیت کا وہ خود مالک ہے۔ اس صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ مال و دولت اور مکان و آسائش کی تمام شکلوں میں اس کی مشارکت گوارا کرے۔ یہی نہیں بلکہ خود اس کی دعوت دے۔ اسی مقام کی طرف حضرت حسنؓ نے

اشارہ کیا ہے۔ کان احدھم یشق ازارہ بینہ و بین اخیہ ان میں ہر ایک اپنے ازار میں سے آدھا ازار پھاڑ کر اپنے بھائی کو دیدیتا تھا۔

تیسری سطح سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوست کو اپنے سے بھی بہتر سمجھے اور اس کی ضروریات کو نہ صرف اپنی ضروریات قرار دے بلکہ ان سے بھی مقدم جانے۔ اس مقام کا حصول آسان نہیں۔ اس پر اُمّت کے وہ صلحاء فائز ہیں جنہیں رتبۂ صدیقیت میسّر ہے۔ اس مقام کا اوّلیں ثمرہ ایثار بالنفس ہے۔ اس ایثار کی کیا حدود ہیں، اور کیا کیا چیزیں اس کی زد میں آتی ہیں؟ اس کا اندازہ اس قصّے سے کیجیے کہ صوفیاء کے ایک گروہ کو کسی شکایت کی بنا پر ایک خلیفہ کے دربار میں حاضر ہونا پڑا۔ اس نے حکم دیا کہ ان سب کی گردن اڑا دی جائے۔ اس گروہ میں اتفاق سے ابوالحسین نوری بھی تھے۔ انہوں نے حکم سنا تو لپک کر جلّاد کی جانب بڑھے اور اپنی گردن قتل کے لیے پیش کر دی۔ تاکہ انہیں دوستوں سے پہلے موت کے آغوش میں جانے کا موقع ملے۔ ان کا کہنا تھا جب زندگی کے بارہ میں ہمیشہ ایثار سے کام لیا ہے تو موت کے معاملہ میں کیوں پیچھے رہوں۔ اخوت اور الحب فی اللہ کی یہی تین سطحیں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی پر بھی متمکن نہیں ہے تو یہ سمجھ لے کہ یہ رشتہ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ اور اس کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں پیوستہ نہیں۔ عقل و دین کے نقطۂ نظر سے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسی ہی کھوکھلی اور بے جان محبت سے متعلق میمون بن مہران کا کہنا ہے

من رضی من الاخوان بترک الافضال فلیوا طن اھل القبور ۔ جو شخص دوستی کی اس شکل پر مطمئن ہے کہ اس کے لیے کچھ خرچ کرنا نہ پڑے اُسے مُردوں سے زیادہ یارانہ گانٹھنا چاہیے۔

اصلی محبت کیا ہوتی ہے اور اہلِ صفا کے گروہوں میں حقوق اخوّت کا کس درجہ خیال رکھا جاتا ہے اس کا ایک نمونہ فتح الموصلی کی اس بے تکلفی میں تلاش کیجیے کہ انہیں جب ایک مرتبہ کچھ رقم کی شدید ضرورت محسوس ہوئی تو ایک دوست کے ہاں گئے۔ اتفاق سے وہ گھر پر نہیں تھا۔ انہوں نے لونڈی سے صندوق کی کنجی منگوائی اور خود کھول کر حسبِ ضرورت درہم و دینار نکال لیے۔ یہ دوست گھر پر آئے تو لونڈی نے ازراہِ تعجب یہ سارا ماجرا ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرطِ مسرّت سے کہا

ان صدقت فانت حرۃ لوجہ اللہ اگر تو سچ کہتی ہے تو آج سے فی سبیل اللہ آزاد ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے پاس ایک صاحب آئے۔ اور خواہش ظاہر کی کہ میں آپ سے مواخات چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: جانتے بھی ہو مواخات کے حقوق کتنا ایثار چاہتے ہیں۔ اس نے کہا آپ ہی فرما دیجیے۔ اس پر انہوں نے کہا:

ان لا تکون احق بدینارک ودرھمک منی۔ مواخات کا یہ معنی ہے کہ تیرے درہم و دینار میں میرا حصہ کسی طرح تم سے کم نہ ہو۔

عطا بن حسین نے ایک مرتبہ ایک صاحب سے پوچھا تم جس شخص کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے ہو کیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ تمہاری جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنا کچھ چاہے نکال لے۔ اس نے کہا، ہماری محبت ہنوز اس درجہ پختہ نہیں ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کا یہ مطلب ہے:

لستم باخوان کہ تمہارے درمیان سرے سے بھائی چارہ قائم ہی نہیں ہوا۔

عبداللہ بن عمرؓ نے ایثار کا ایک دلچسپ قصہ بیان کیا ہے۔ آں حضرتؐ کے صحابی کے ہاں کسی نے بکری کا کلہ بھیجا۔ اس نے کہا، فلاں دوست کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس دوست نے ایک تیسرے دوست کی خبر دی۔ اور تیسرے نے چوتھے کی سفارش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ سات آدمیوں میں گھوم پھر کر کلہ پھر انہیں کے ہاں واپس آگیا۔

ابو سلیمان الدرانی کا قول ہے

لوان الدنیا کلھا لی فجعلتھا فی فم اخی، لاستقللتھا لہٗ۔ اگر مجھے ساری دنیا کی نعمتیں حاصل ہو جائیں۔ اور میں ان سب کو ایک بھائی کے منہ میں ڈال دوں۔ تب بھی میرے جذبۂ محبت کی تسکین نہ ہو، اور میں اسے کم ہی سمجھوں۔

انہیں کا قول اس سلسلہ میں بہت مزے کا ہے

انی لالقم لقمۃ اخا من اخوانی فاجد طعمھا فی حلقی۔ میں اگر بظاہر اپنے کسی بھائی کے منہ میں لقمہ ڈالتا ہوں تاہم اس کی لذت اپنے حلق میں محسوس کرتا ہوں۔

اگر سوال یہ درپیش ہو کہ مساکین کو کھانا کھلانا بہتر ہے۔ یا کسی دوست کی دستگیری کو ترجیح دی جائے گی۔ تو اس کا جواب حضرت علیؓ کے ایک قول میں تلاش کیجیے

اخی فی اللہ احب الی من ان اتصدق بمائۃ درھم علی المساکین میرا ایک بھائی جس سے رضائے الٰہی کی بنا پر تعلق خاطر ہے کہیں زیادہ عزیز ہے اور اس کا مفاد کہیں زیادہ محبوب ہے، اس کی

نسبت کہ میں سو درہم مساکین پر خرچ کروں۔ یعنی یہ سو درہم بھی ایسے ہی دوستوں اور بھائیوں ہی پر خرچ ہونا چاہیے۔ اسی مضمون کی تائید ان کے ایک اور قول سے بھی ہوتی ہے۔

لان اصنع صاعاً من طعام واجمع علیہ اخوان فی اللّٰہ احب الی من ان اعتق رقبۃ میرے نزدیک صاع بھر طعام کی مخلص دوستوں کو دعوت دینا، ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ عزیز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مالی حقوق کا تعلق ہے، دوستی اور اخوت کا یہ تقاضا ہے کہ اس سلسلہ میں راہ و رسمِ ایثار کو تازہ کیا جائے۔ اور من و تو کے فرق کو مٹا دیا جائے۔

۲۔ اعانت بالنفس: اس کا تعلق مالی حقوق کے ایک متعین گوشے سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دوست اور اس کی مدد کے یہ معنی نہیں کہ جب تک وہ خود نہ لے اور اظہار کی رسوائیوں سے دوچار نہ ہو اس کی ضروریات کو محسوس ہی نہ کیا جائے۔ صحیح اور سچی اخوت یہ ہے کہ سوال سے پہلے دستِ تعاون بڑھایا جائے۔ اور آپ سے آپ حاجت روائی کی جد وجہد جاری رکھی جائے۔ اور اگر کوئی دوست یہ فرض یاد دلائے، تو اس کی اعانت کو جملہ ضروریات پر مقدم ٹھہرایا جائے۔

ابن شبرمہ نے ایک مرتبہ، ایک دوست کی غائبانہ گراں قدر مدد کی۔ اسے معلوم ہوا تو تحفہ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے کہا۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ میرے نزدیک دل میں تقاضائے محبت تھا۔ الحمد للہ کہ اس سے سبکدوش ہوا۔ فرمایا

اذا سئلت اخان حاجۃ فلم یجھد نفسھا فی قضائھا فتوضأ للصلوٰۃ وکبر علیہ اربعۃ تکبیرات وعدہ فی الموتیٰ۔
جب تم کسی دوست سے حاجت روائی کی درخواست کرو۔ اور وہ اس کے لیے زحمت برداشت نہ کرے تو وضو کرو اور اس کی نماز جنازہ پڑھ ڈالو۔

جعفر بن محمد نے اعانت وخیر سگالی کا اچھوتا معیار قائم کیا۔ ان کا کہنا ہے

انی لا تسارع الی قضاء حوائج اعدائی مخافۃ ان ادھم فیستخنوا عنی۔
میں اپنے اعداء کی ضروریات کو اس خیال سے پورا کرنے میں عجلت اور پھرتی کا ثبوت دیتا ہوں کہ مبادا وہ مجھ سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔

ہمارے اسلاف میں ایسے ایسے حضرات بھی تھے جو دوستوں کی وفات کے بعد چالیس چالیس برس تک برابر ان کے گھروں میں جاتے۔ اور ان کے بال بچوں کا خیال رکھتے۔ اور ان کی ادنے ضروریات دریافت فرمانے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے۔ چنانچہ کسی سے گھی کے بارہ میں پوچھتے، کسی سے نمک

سے متعلق سوال کرتے اور یقین دلاتے کہ تمہاری حاجت روائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جائے گا۔
یہ ہے وہ اخوت۔ وہ محبت، وہ خیر سگالی و ہمدردی جس کی ایک دوست بھائی سے توقع رکھنی چاہیے۔
اور اگر یہ دوستی اس طرح کے نتائج و ثمرات کی حامل نہیں ہے، اور اس لائق نہیں ہے کہ پہلو میں دلِ ہمدرد کو مدد و اعانت پر آمادہ کر سکے تو بالکل بے کار اور عبث ہے۔ بلکہ ایسا شخص کسی درجے میں بھی التفات و توجہ کا مستحق نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے باب میں میمون بن مہران کا قول ہے

من لم تنفعه بصداقته لم تضرك عداوته جس کی دوستی سے تمہیں نفع نہیں اس کی عداوت بھی تمہارے لیے مضر نہیں۔ گویا ایسے لوگ برسرِ عداوت بھی ہوں تو کیا پروا ہے۔ لیکن دوستی اور محبت کا یہ درجہ کسے نصیب ہے اور ہر کوئی اس کا کہاں سزاوار ہے؟ آں حضرتؐ کا ارشاد ہے

الا ان لله اوانی فی الارض وهی القلوب فاحب الاوانی الی الله تعالیٰ اصفاها و اجلها و ارقها۔ اصفاها من الذنوب و اجلها فی الدین و ارقها علی الاخوان۔

خبردار! یہ نعمت عام نہیں۔ دنیا میں اللہ نے کچھ ظروف پیدا کر رکھے ہیں۔ اور یہ ظروف کیا ہیں؟ دل۔ سو اللہ تعالیٰ کو ان ظروف میں سے پاکیزہ تر، مضبوط تر اور نازک تر زیادہ پیارے ہیں۔ پاکیزہ تر تو گناہوں سے، مضبوط تر دین کے معاملہ میں اور نازک تر اپنے بھائیوں سے متعلق۔

ان تصریحات سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ہمیشہ اپنے بھائی اور دوست کی ضروریات کو اپنی ہی ضروریات قرار دو۔ بلکہ اپنی ضروریات سے زیادہ اہم سمجھو۔ اور اس کا اس طرح خیال رکھو جس طرح اپنا خیال رکھتے ہو۔ اور کوشش کرو کہ اس کی جملہ حاجات آپ سے آپ اس طریق سے پوری ہوتی رہیں کہ اس کو دستِ سوال دراز کرنے کی زحمت نہ برداشت کرنا پڑے۔ یہی نہیں ایک دوست کے حق میں اپنی اولاد و اقارب سے بھی زیادہ ایثار و کرم کا ثبوت دینا چاہیے۔ کیوں؟ اس کی وجہ حضرت حسنؓ بیان کرتے ہیں

اخواننا احب الینا من اهلنا و اولادنا، لان اصلنا یذکروننا بالدنیا، و اخواننا یذکروننا بالاخرة

ہمارے احباب ہمیں اپنے اہل و اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ کیونکہ اہل و اولاد تو صرف دنیا ہی کو یاد دلاتے ہیں۔ لیکن احباب آخرت کی یاد تازہ کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔ دوست و احباب کے موٹے موٹے حقوق کیا ہیں۔ سعید بن العاص نے اس کی یوں وضاحت کی ہے

اجلیسی علیٰ ثلاث اذا دنا رحبت به و اذا حدث اقبلت علیه و اذا جلس اوسعت له۔

ہم نشین کے مجھ پر تین حقوق ہیں۔ قریب آئے تو خیر مقدم کروں۔ بات کرے تو پوری توجہ سے سنوں۔ اور بیٹھنا چاہے تو اسے جگہ دوں۔

قرآن حکیم نے آں حضرتؐ کے رفقاء و احباب سے متعلق فرمایا ہے

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ اور آپس میں رحم دل ہیں۔

اس میں شفقت و تکریم کی جملہ صورتیں آجاتی ہیں۔ مالی، جانی اور نفسی ہر قسم کی۔

۳۔ اعانت باللسان: اس کا یہ مطلب ہے کہ سکوت یا گفتگو سے ایک دوست یا بھائی کے جذبات یا خیالات کا خیال رکھا جائے۔ جہاں تک گفتگو کا تعلق ہے اس کے تقاضے تو واضح ہیں۔ سکوت کی متعدد شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اس کے عیوب سے تعرض نہ کرے۔ نہ اس کے سامنے اور نہ اس کی غیر حاضری میں۔ بات چیت میں اس کی تردید نہ کرے۔ اور نہ شکوک و شبہات کا خواہ مخواہ اظہار کرے۔ تجسس سے گریز کرے۔ نیز اس کے احوال کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرے۔ اور اگر سرِ راہ کہیں اتفاقیہ بھی ملاقات ہو جائے تو یہ نہ پوچھے کہ کہاں سے آ رہے ہو۔ یا کہاں کا قصد ہے؟ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان امور کو وہ چھپانا چاہتا ہو۔ اور سوال کی صورت میں اسے لامحالہ جھوٹ بولنا پڑے گا۔ اور یا پھر افشائے راز کرنا پڑے گا۔ یہ دونوں نتائج تکلیف دہ ہیں۔ اس لیے ایک دوست کو مجبور نہیں کرنا چاہیے کہ ان سے دوچار ہو۔

اسی طرح دوست کے رازوں کو دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے اور اس کے احباب اور بال بچوں کے بارہ میں قدح و تنقید سے بچنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں آں حضرتؐ کے اسوہ میں ایک اصولی چیز ملتی ہے

كان صلى الله عليه وسلم لا يواجهه احدًا بشيء يكرهه آں حضرتؐ کا دستور تھا کہ کبھی کسی کے سامنے ایسی بات بیان نہ کرتے جس سے ان کو اذیت پہنچتی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ہر اس اقدام سے باز رہے جس سے کسی کا دل دُکھتا ہو۔ یا جس سے کسی شخص کے کرب و ملال میں اضافہ ہوتا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اس وقت اس کا کہنا سننا شرعاً ضروری ہے۔ جس سے یا تو اس وقت کسی برائی سے مخاطب کو روک دینا ہے۔ یا کسی معروف نیکی پر آمادہ کرنا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ ایسی حالت میں اگر نصیحت مخاطب کو کچھ بُری بھی معلوم ہوتی ہو تو پروا نہ کرے۔ کسی شخص میں عیوب و نقائص ڈھونڈنا اور پھر ان کی

تبلیغ و اشاعت کرنا صراحتاً غیبت کا مرتکب ہونا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس معصیت سے بچنے کا طریق کیا ہے؟ اس سے مجتنب رہنے کی دو تدبیریں ہیں۔

اوّل: اپنے احوالِ نفس کا جائزہ لے۔ اور اس طرح کہ اس میں کوئی کمزوری پائی جاتی ہے کہ نہیں۔ اگر پائی جاتی ہے تو جس طرح اس کمزوری کے مقابلہ میں یہ اپنے کو بے بس سمجھتا ہے اور معذور جانتا ہے اسی طرح اپنے اس بھائی کے بارہ میں کوئی معقول معذرت تلاش کرے، جس کی کسی برائی یا عیب پر اس کو اطلاع ہوئی ہے۔ اور یہ خیال کرے کہ ایسا مہذب اور شائستہ انسان کہاں ملے گا۔ جس میں سرے سے کوئی عیب ہی نہ ہو۔ جو سراپا نیکی اور سراپا جمال ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جب خود یہ اپنی بعض کمزوریوں سے دست کش نہیں ہو سکتا تو دوسروں کا بھی یہی حال ہے۔ ان سے بھی بعض معصیتیں اور کمزوریاں نہیں چھوٹتیں۔

ثانی: دوستی کے متعلق یوں سوچے کہ یہ معیار نبھنے والا نہیں اور ایسے دوست نہیں ملتے کہ جن سے اپنے مراسم ہوں اور وہ ہر ہر عیب اور لغزش سے پاک ہوں۔ اگر یہ بھی معیار قرار دیا جائے اور ادنیٰ لغزش و معصیت کو دوستی و تعلق کی راہ میں حائل سمجھا جائے تو پھر آپس کے یہ رشتے اور تعلقات استوار ہو چکے۔ اس کے لیے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ جن لوگوں سے تمہیں الفت و محبت ہو ان کی سیرت میں خیر کا پہلو، شر کے پہلو پر غالب ہو۔ اور نیکیاں زیادہ سے زیادہ ہوں۔ اور معصیتیں خال خال ہوں۔ پھر دوست کی یہ پہچان ہے کہ حسنات کے اس پہلو کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور کمزوریوں کی تاویل کرتا ہے۔ اسی حقیقت کو عبداللہ بن المبارک نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے

المومن یطلب المعاذیر والمنافق یطلب العثرات مومن تو عذر تلاش کرنے کے درپے رہتا ہے اور منافق لغزش تلاش کرتا ہے۔

حضرت فضیل کا قول ہے

الفتوۃ العفو عن زلات الاخوان۔ جوانمردی یہ ہے کہ اپنے بھائی بندوں کی لغزشوں کو معاف کر دیا جائے۔

لغزشوں کی پردہ پوشی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہر ہر شخص میں کردار کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں لغزش اور معصیت کے بھی اور خیر اور بلندی کے بھی۔ اب اگر کمزوریوں کو درخور اعتنا سمجھا جائے اور خیر و بلندی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تعلقات یا تو سرے سے قائم ہی نہیں ہو پائیں گے یا ان کی بنیاد نفاق پر ہو گی۔ اور یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ امام شافعی نے اس سلسلہ میں مبنی بر حقیقت

تجزیہ سے کام لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے

مَا اَحَدٌ من المسلمین یطیع اللہ ولا یعصیہ ولا احد یعصی اللہ ولا یطیعہ فمن کانت طاعتہ اغلب من معاصیہ فھو عدل۔ واذا جعل مثل ھذا عدلاً فی حق اللہ فبان تراہ فی حق نفسک ومقتضی اخوتک اولیٰ۔ مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس نے اللہ کی پوری پوری اطاعت کی ہو۔ اور کبھی معصیت کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا شخص ہے کہ جس نے ہمیشہ معصیت کی ہو۔ اور اطاعت کا نام نہ لیا ہو۔ سو جس کی اطاعت معصیت کے مقابلہ میں زیادہ ہو، اس نے گویا تقاضائے عدل اختیار کیا اور جہاں عند اللہ یہ عدل ہے وہاں تمہارے نزدیک اور تمہارے بھائی چارہ کے نقطۂ نظر سے اس کو بطریق اولیٰ عدل ہونا چاہیے۔

پھر جس طرح دوست و مومن کے حق میں زبانِ طعن دراز کرنا، ناجائز ہے۔ اسی طرح دل کو اساءتِ ظن سے بچانا چاہیے۔ کیونکہ اساءتِ ظن دل کی غیبت ہے اور احادیث میں اس سے بھی روکا گیا ہے۔ اساءتِ ظن کیا ہے؟ دو لفظوں میں اس کی تعریف پر غور کر لیجیے۔ اساءتِ ظن یہ ہے کہ جب کسی دوست کی لغزش کا پتہ چلے تو بغیر اس کے کہ پہلے، اس کے لیے کوئی اچھا محمل تلاش کیا جائے، یا کسی اچھی توجیہ سے اس کی تاویل کی جائے، ایک بُری رائے قائم کر لی جائے۔ اگر واقعہ اس نوعیت کا ہے کہ یقین و مشاہدہ سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔ تب بھی۔ اس کے لیے سہو و نسیان کی آڑ تو بہرحال لی جا سکتی ہے۔ ہاں بُری رائے قائم کرنے میں انسان اگر مجبور ہی ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ اس میں عند اللہ کسی مواخذہ کا اندیشہ نہیں۔ اساءت ظن سے متعلق آں حضرت کا ارشاد ہے

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث سو ظن سے مجتنب رہو کیونکہ سوءظن بہت بڑا جھوٹ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے

ان اللہ قد حرم علی المومن من المومن دمہٗ ومالہٗ وعرضہٗ وان یظن بہ ظن السوء۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مومن کے بارہ میں مومن پر اس کے خون، مال و دولت اور عزت و آبرو پر حملہ کو حرام ٹھہرایا ہے، اور اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ اس کے متعلق بدگمانی کی جائے۔

(ماخوذ از تعلیمات غزالی)